یکم جولائی ۱۹۷۰ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۲۹ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۲۵

اس شمارے میں

آل احمد سرور

میں نے امریکہ کو کیسا پایا؟

(۴)

امریکہ میں چند سال سے یونی ورسٹی کے طلبہ میں ہیجان ہے جو بعض اوقات ہنگاموں کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اس وقت تقریباً آٹھ سو یونی ورسٹیوں اور تقریباً ڈیڑھ ہزار کالجوں میں، ستر لاکھ طلبہ پڑھتے ہیں۔ ہمارے یہاں یونی ورسٹیوں کے طلبہ کی تعداد پندرہ اور بیس لاکھ کے درمیان ہوگی اور آزادی کے بعد تیزی سے بڑھ رہی ہے مگر امریکن کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں طلبہ کی مجموعی تعداد آبادی کے تناسب سے بھی ہمارے یہاں سے بہت زیادہ ہے اور ویسے بھی۔ وہاں کے ہنگاموں کے اسباب پر غور کرتے ہوئے اس تعداد کو ضرور ذہن میں رکھنا چاہئے۔ دوسری بات یہ اہم ہے کہ ان طلبہ کی گھر پر اور اسکولوں میں تربیت ہمارے یہاں سے زیادہ آزاد ماحول میں ہوئی ہے۔ جو لوگ خوشحال ہیں وہ اپنے بچوں کو بہترین اداروں میں بھیجتے ہیں جو اتنے خوشحال نہیں ہیں اُن کے لئے بھی اسکول ہمارے یہاں سے بہت بہتر ہوتے ہیں۔ اسکول کے لڑکوں کی عام معلومات خاصی ہوتی ہے اور پھر بقول میک لوہن کے امریکی بچے چھوٹی عمر سے ٹیلی وژن اور دوسرے آلات کی مدد سے ایک طرح کا قاموسی علم حاصل کرلیتے ہیں تو اس علم میں چند خاص پہلوؤں پر زور ضرور ہوتا ہے۔ امریکہ کے متوسط طبقے کے والدین اپنے بچوں کو شروع سے خاصی آزادی دیتے ہیں۔ ذہنی صلاحیت اور آزادیٔ خیال نے ان میں ایک روحانی پیاس اور ایک دیانت پیدا کردی ہے۔ وہ اس آدرش کے قائل ہیں ہیں جو روپیہ کمانے، باعزت زندگی بسر کرنے، کامیابی کے مدارج طے کرنے، مقررہ پروگرام کے مطابق کام کرنے اور مقررہ پروگرام کے مطابق تعطیل منانے، گویا ایک پٹری پر چلنے کو زندگی سمجھتا ہے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں آزادی سے ملتے ہیں۔ (DATING) کا رواج عام ہے۔ گویا ایک PERMISSIVE SOCIETY وجود میں آرہی ہے۔ اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ برکلے کیلی فورنیا کے طالب علموں کا نعرہ "محبت کرو نہ کہ جنگ" LET US MAKE LOVE NOT WAR کیوں مقبول ہوا۔ ویت نام کی جنگ برسراقتدار طبقے نے ان نوجوانوں پر لاد دی ہے۔ اس کی ابتدا تو کینیڈی کے زمانے سے ہوئی، مگر جانسن نے ساڑھے پانچ لاکھ امریکن سپاہی وہاں بھیجے اور اس مقصد کے لئے نوجوانوں کو جبراً بھرتی کیا گیا۔ ویت نام ایک ایسی دلدل بن گیا ہے جس میں امریکہ کے دیو کے پیر دھنستے ہی جاتے ہیں۔ اب تک بیالیس ہزار نوجوان وہاں کام آچکے ہیں۔ زخمیوں کی تعداد اس سے بہت

زیادہ ہے۔ بھرتی میں سیاہ فام لوگ خاصی تعداد میں لئے جاتے ہیں۔ لڑائی کے محاذ پر ان سے اچھا سلوک ہوتا ہے مگر جب وہ واپس آتے ہیں تو سیاہ اور سفید کی تفریق سے سابقہ پڑتا ہے۔ قدرتاً انھیں محسوس ہوتا ہے کہ انھیں ایک جہنم سے نکال کر دوسرے جہنم میں ڈال دیا گیا ہے۔ سفید فام نوجوانوں کی تربیت بدلے ماحول میں ہوئی ہے، وہ لڑائی تو لڑتے ہیں مگر ذہنی طور پر لڑائی کو حق بہ جانب قرار نہیں دے سکتے۔ کچھ لوگ ایسے اعصاب زدہ ہو جاتے ہیں کہ ذرا سی بات پر نہتے شہریوں پر گولیاں برسانے لگتے ہیں۔ فوجی افسر عام طور پر ایسے واقعات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر خدا بھلا کرے اخبار والوں اور ٹی۔وی کے مبصروں کا، وہ ہر راز کو فاش کرنے پر تلے رہتے ہیں۔ غرض یونی ورسٹی کے طلبا ویت نام کی لڑائی، جبری بھرتی اور امریکہ کی ساری دنیا کی چودھراہٹ کے خلاف ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کی بات دوسری تھی۔ یورپ سے امریکہ کا گہرا ذہنی، روحانی، تہذیبی اور جسمانی رشتہ ہے۔ وہاں کی ساری سفید فام آبادی کے باپ دادا یورپ سے آئے تھے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ پھر جاپان نے پرل ہاربر پر حملہ کرکے پوری امریکی قوم کو سخت غصہ دلایا تھا۔ چنانچہ دوسری جنگ عظیم میں امریکہ کا نوجوان برسراقتدار طبقے کے ساتھ تھا۔ مگر ویت نام کی بات دوسری ہے۔ ان نوجوانوں کے کئی سال کے احتجاج، ہنگاموں اور کبھی کبھار تشدد آمیز مظاہروں کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ صدر نکسن بھی آج نہ صرف امریکہ کی فوجوں کی واپسی کی بات کرتے ہیں بلکہ کافی تعداد میں انھوں نے فوجی واپس بلائے ہیں لیکن چامسکی اور اسٹون جیسے دانش وروں کا کہنا یہ ہے کہ نکسن بظاہر اس احتجاج سے مجبور ہو کر آدھے فوجی واپس بلا لیں گے مگر کسی نہ کسی صورت میں ڈھائی لاکھ امریکی فوجی اس علاقے میں ابھی عرصہ دراز تک رہیں گے۔ حال میں کمبوڈیا میں مداخلت پر کینٹ یونی ورسٹی میں جو ہنگامہ ہوا ہے اس نے دوسری یونی ورسٹیوں کو بھی متاثر کیا ہے اور آئندہ بجائے تشدد آمیز مظاہروں کے نومبر کے انتخابات کے لئے ایسے امیدواروں کی حمایت نوجوان بڑے پیمانے پر کریں گے جو ویت نام میں کسی نہ کسی طرح جنگ کے خاتمے اور باعزت صلح پر زور دیں اور امریکہ کی ساری فوجوں کو جلد سے جلد واپس بلانے میں کامیاب ہوں۔ شکاگو یونی ورسٹی سے ایک خط میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس زمانے میں یونی ورسٹی بند رہے گی تاکہ طلبہ اور اساتذہ انتخاب کے لئے کام کرسکیں۔ قیاس ہے کہ دوسری یونی ورسٹیوں میں بھی یہی صورت پیش آئے گی۔

ایک اندازے کے مطابق یونی ورسٹیوں اور کالجوں کے پندرہ فی صدی طالب علم ان مظاہروں میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ تعداد اور بڑھے گی۔ ویت نام کے علاوہ ان مظاہروں میں کالے اور گورے کی تفریق کے خلاف آواز اٹھائی جاتی ہے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کو زیادہ بامعنی اور بامقصد بنانے اور نصاب میں ضروری تبدیلیاں کرنے پر اصرار ہوتا ہے۔ ساتھ ساتھ دوسرے سماجی مسائل بھی لئے جاتے ہیں۔ ایک تھوڑی سی تعداد کو چھوڑ کر مجموعی طور پر طلبہ سنجیدہ دیانت دار اور ذہنی طور پر بیدار ہیں اور عنقریب امریکہ کی سماجی زندگی میں بڑی تبدیلیاں کریں گے۔

(باقی)

دہلی یونی ورسٹی میں اردو کے لئے سہولتیں

دہلی یونی ورسٹی نے اردو کے طلبہ کے لئے حسب ذیل وظائف حاصل کئے ہیں:

(۱) آصف علی وظائف۔ ۷۵ روپے ماہوار۔ جون کے آخر میں اس کے مقابلہ کا امتحان ہے اگر آپ کا بی اے کا نتیجہ نہیں آیا، تب بھی آپ امتحان میں شریک ہو سکتے ہیں۔

(۲) ہمدرد وظائف۔ پچاس روپے ماہوار

(۳) مولانا آزاد ریسرچ اسکالرشپ۔ دو سو روپے ماہوار

(۴) دہلی یونی ورسٹی ہر سال مرزا غالب انعامات دیتی ہے۔ آپ کا داخلہ مندرجہ ذیل جماعتوں میں ہو سکتا ہے۔

۱۔ ایم۔اے اردو

۲۔ ایم۔لٹ اردو

۳۔ اردو میں قدیم کتابوں کے پڑھنے کا کورس

۴۔ اردو میں ریسرچ کرنے کے قاعدوں کا کورس

۵۔ ترجمہ کا کورس بھی شروع ہونے والا ہے

مزید معلومات رجسٹرار یا سکریٹری شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی سے حاصل کیجیے۔

• سکریٹری شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی دہلی ۷

"ہماری زبان"

کو مضامین و مراسلات ارسال کرتے وقت یہ ملحوظ رہے کہ وہ کاغذ کے ایک طرف صاف لکھے ہوں۔

ادارہ

ابو محمد سحر

اسد و غالب

غالبیات کا ایک چھوٹا سا مسئلہ یہ ہے کہ غالب نے اسد کے بجائے یا اس کے ساتھ ساتھ غالب تخلص کب اختیار کیا۔ خود غالب کے معروف بیانات سے کئی دوسرے مسائل کی طرح اس مسئلے میں بھی کوئی واضح نتیجہ نہیں نکلتا۔ آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے کہ ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ء) میں اسد اللہ الغالب کی رعایت سے غالب تخلص اختیار کیا۔ لیکن تخلص کی تبدیلی کا یہ سنہ کسی طرح قابل قبول نہیں۔

ماہرین غالبیات شیخ محمد اکرام، مولانا غلام رسول مہر اور مولانا امتیاز علی عرشی کی اس مسئلے پر جو رائے رہی ہے اس کا خلاصہ دیوان غالب نسخۂ عرشی کے دیباچے کے اس اقتباس کے ذریعے سے پیش کیا جاسکتا ہے:

"ابتداءً میرزا صاحب اسد تخلص کرتے تھے۔ بعد ازاں اپنے نام اسد اللہ کی مناسبت سے غالب لکھنے لگے۔ چنانچہ منشی شیو نرائن کو اپریل سنہ ۱۸۵۹ء میں تحریر کیا ہے:

'میں نے کوئی دو چار برس ابتدا میں اسد تخلص رکھا ہے ورنہ غالب ہی لکھتا رہا ہوں۔'

لیکن یہ دو چار برس صحیح تخمینہ نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی شعر گوئی کی پہلی منزل 'بیدلی رنگ' کے زمانے میں اسد ہی لکھتے رہے ہیں۔ البتہ فارسی میں شروع سے غالب تخلص ہی استعمال کیا ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انھوں نے فارسی کے لئے یہ تخلص پسند کیا تھا۔ بعد میں ریختے کے اندر بھی لکھنے لگے۔"

(دیوان غالب نسخۂ عرشی، دیباچہ مرتب ص ۱۲۰)

مشہور روایت بھی یہی ہے کہ غالب پہلے اردو میں اسد تخلص کرتے تھے پھر فارسی میں غالب تخلص اپنایا اور بعد میں اردو میں بھی یہی تخلص اختیار کر لیا۔ لیکن نسخۂ بھوپال مکتوبہ ۱۲۳۱ھ کی دریافت یا ۱۹۲۱ء میں نسخۂ حمیدیہ کی اشاعت سے کم از کم ماہرین غالبیات کو معلوم ہو جانا چاہئے تھا کہ غالب فارسی میں بھی شروع سے غالب تخلص نہیں استعمال کرتے تھے۔ نسخۂ حمیدیہ میں نسخۂ بھوپال کا ایک فارسی قصیدہ "خاتمۂ فارسی" کے عنوان سے شامل ہے جس میں انھوں نے اسد تخلص استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

راقم بیچارۂ پژمردہ دل یعنی اسد
کز خزاں ہائے دل گردیدہ پابند حجاب

کلیات نظم فارسی میں یہ قصیدہ قطعات میں شائع ہوا ہے اور ترمیم و تنسیخ میں یہ شعر حذف کر دیا گیا ہے لیکن یہاں یہ بات غیر اہم ہے۔ اب نسخۂ بھوپال بخط غالب یعنی غالب کے خود دریافت شدہ دیوان سے اس کی مزید توثیق ہوتی ہے کہ وہ ابتدا میں فارسی میں بھی اسد تخلص استعمال کرتے تھے۔ اس دیوان کی ایک فارسی رباعی حسب ذیل ہے:

گفتم کہ اسد گفت دل آشفتۂ من
گفتم نفسش گفت بجوں خفتۂ من
گفتم سخنش بایں نزاکت گفتش
گفت ایں ہمہ مدعائے ناگفتۂ من

چنانچہ یہ محض قیاس نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ غالب ابتدا میں اردو اور فارسی دونوں میں اسد تخلص کرتے تھے اور اس کی بنا پر یہ قیاس ایک تحقیقی قیاس قرار پائے گا کہ شروع میں اردو اور فارسی دونوں کے لئے صرف اسد تخلص رکھنے کے بعد پہلے انھوں نے فارسی میں غالب تخلص رکھا اور پھر اردو میں بھی حتی الامکان یہی تخلص استعمال کرنے لگے۔

کیا فرماتے ہیں پرانے اور نئے ماہرین غالبیات؟

تسلیم مقصود

غزل

ہم غم نصیب سوچتے ہیں اس کو کیا ہوا
کیوں ہے کسی کی یاد کا سورج بجھا ہوا

پھرتا ہے اپنے خول میں اک اجنبی کی طرح
انسان اپنے آپ سے کب آشنا ہوا!

یوں روشنی میں آنے سے ڈرتی رہی حیات
جیسے کہ روشنی میں ہو دشمن چھپا ہوا

دیواریں گر گئیں بھی تو باہر نہ آسکا
احساس کمتری میں تھا انسان گھرا ہوا

ہر اک نظر سے دل کو بچاتے ہیں اس لئے
دیکھا ہے ہم نے نظروں سے دل ٹوٹتا ہوا

دل کے قریب آکے یہ سستانے کھو گئے
اجل اپنے دل کا کھلا کتنا لگا ہوا

کیا خوب اعتراف شناسائی ہے تسلیم
ہر بات میں ہے طنز کا نشتر چھپا ہوا

● یاد رکھئے کہ مردم شماری زبان کے صحیح اندراج کے لئے ہی نہیں بلکہ آئندہ سارے قومی منصوبوں کے لئے ضروری ہے اس کی اہمیت کو پہچانیے

● اپنے حلقے میں ہر شخص کو مردم شماری کے سلسلے میں اس کا فرض یاد دلائیے۔

سید محمد علی کاظمی

قاضی صاحب کا قلمی نام "خاموش"

ایک زمانے میں قاضی عبدالغفار نے اپنے کچھ مضامین، انشائیے اور چند مختصر کہانیاں اپنے اصل نام کے بجائے ایک فرضی اور قلمی نام سے بھی شائع کرائی تھیں۔ قاضی صاحب نے اپنے لئے قلمی نام کے طور پر "خاموش" کا انتخاب کیا تھا "خاموش" کے پردہ میں قاضی عبدالغفار ہی تھے، اس سلسلے میں کئی مستند شواہد ملتے ہیں۔ اولاً وحید احمد مسعود سابق مدیر ماہ نامہ "نقیب" بخوبی بدایوں اس امر کے شاہد ہیں کہ ان کے ماہ نامے میں "خاموش" کے نام سے جو مضامین شائع ہوتے تھے وہ قاضی صاحب کے ہوتے تھے اپنے ایک خط مورخہ ۸ جنوری ۱۹۶۸ء میں موصوف نے راقم کو لکھا تھا کہ "قاضی صاحب" نقیب میں خاموش کے نام سے بھی لکھتے تھے.....

وحید احمد صاحب کے اس بیان کی تائید اس زمانے کے نقیب کے شمارے بھی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اپریل ۱۹۲۲ء کے نقیب کے شمارے میں ص۳ پر "حاجی بغلول" کے عنوان سے ایک طنزیہ دیکھا جا سکتا ہے۔ جس کے مصنف کا نام "خاموش" ہے

دوئم ماہ نامہ "تمدن" جولائی ۱۹۱۶ء کے شمارے میں "میرا چراغ" کے عنوان سے ایک انشائیہ ملتا ہے اس کے ابتدا میں مدیر تمدن نے "خاموش" صاحب کا تعارف جن الفاظ میں کرایا ہے اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کے پس پردہ قاضی عبدالغفار ہی ہیں۔ مدیر موصوف نے لکھا ہے کہ اس مضمون کو

"تمدن میں جگہ دینے سے خاکسار ایڈیٹر کو خاص خوشی ہے۔ کیونکہ جو حضرت "خاموش" کے پردے میں آج ان تمدن پر خامہ فرسائی فرما رہے ہیں وہ ہندوستانی اخباری دنیا کے ایک ممتاز رکن ہیں اور خاکسار ایڈیٹر "تمدن" کو جرنلزم کی زندگی میں سب سے پہلے آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا....."

مذکورہ بالا شواہد کے علاوہ حرف آخر کے طور پر وہ چند کہانیاں ہیں جو اس زمانے کے اکثر رسائل میں "خاموش" کے قلمی نام سے شائع ہوئی ہیں اور بجنسہٖ یا کسی ایک آدھ لفظ کی ترمیم و تنسیخ کے بعد قاضی صاحب کے مجموعہ "تین پیسے کی چھوکری" میں بھی شامل ہیں۔ مثال کے طور پر "آبشار کی ملکہ"[1] "یہ نہ پوچھ کہ تو کون ہے"[2] بجنسہٖ قاضی صاحب کے مجموعے "تین پیسے کی چھوکری" میں موجود ہیں یا ایک انشائیہ جو ٹیگور کی کسی تخلیق سے ماخوذ ہے "ایک کہانی" کے عنوان سے شائع ہوا[3] اور بجنسہٖ قاضی صاحب کے مذکورہ بالا مجموعہ میں محض اس فرق کے ساتھ شامل ہے کہ اس کا عنوان "ایک کہانی" سے بدل کر "گھوڑا" کر دیا گیا ہے۔

یہ بات خاصی اہم قابل غور ہے کہ اس زمانے میں قاضی صاحب نے اپنی ان تخلیقات کے ساتھ اپنے اصل نام کے اعلان کو آخر کس بنا پر پسند نہیں کیا اور "خاموش" کا قلمی نام اختیار کیا۔ سمجھ میں آنے کی حد تک اس سلسلے میں قیاس آرائی کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید قاضی صاحب ان تخلیقات کو اپنے معیار و مرتبہ کے مطابق نہ سمجھتے ہوں گے۔ لیکن اس قیاس آرائی کو اگر حقیقت مان لیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن چیزوں کو وہ اپنے ابتدائی زمانے میں اپنے نام کے ساتھ شائع کرنا پسند نہیں کرتے تھے ان چیزوں کو بجنسہٖ اسی حالت میں دس پندرہ سال کی مدت گزر جانے کے بعد جبکہ اس مدت میں قدرتی طور پر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ قاضی صاحب کا ادبی معیار، مطالعہ اور ذہن و ذوق پہلے سے یقیناً زیادہ صاف ستھرا اور بلند ہو گیا ہوگا اور حقیقتاً ایسا ہوا بھی تو پھر قاضی صاحب نے ان تخلیقات کو اپنے اصل نام کے ساتھ شائع کرانا کیسے پسند کر لیا؟

قاضی صاحب آج اس دنیا میں نہیں ہیں کہ اس سلسلے میں ان سے

ادریس یوسفی

غزل

میری خلوت میں کوئی شخص اگر آیا ہوتا
متحرک در و دیوار پہ سایا ہوتا
زندگی، کرب و اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں
کاش! یہ شہر نہ خوابوں سے بسایا ہوتا
آبرو رہ گئی اس شہر کی خوں ریزی سے
ورنہ میں خاک بیاباں میں نہایا ہوتا
مجھ سے کہتا ہے کوئی رات کی تنہائی میں
اپنے ہمراہ مجھے قتل کرایا ہوتا
یورش زیست سے زخمی ہم اگر ہو جاتے
شعلۂ جسم کو اس نے بھی جلایا ہوتا
ہم نے قصداً نہ گنے زخم بدن کے یارو!
ورنہ اک خوف رگ و پے میں سمایا ہوتا
ذہن میں تیر گئے اجنبی چہروں کے نقوش
اس نے ادریس نہ یوں ہاتھ دبایا ہوتا

---

[1] آبشار کی ملکہ، از خاموش ماہ نامہ کہکشاں ص۳۵ ستمبر ۱۹۱۸ء

[2] یہ نہ پوچھ کہ تو کون ہے " " " ص۳۵ نومبر "

[3] ایک کہانی " " " ص۳۵ اکتوبر ۱۹۱۹ء

یہ معلوم کیا جاسکے کہ وہ کیا داخلی محرکات یا خارجی وجوہات تھے جن کی بنا پر انھوں نے اس نقاب پوشی کو اپنے لئے منتخب اور پسند کیا اور پھر کچھ سال بعد اس خاموشی کو کیوں توڑ دیا اور نقاب کشائی پر آمادہ ہوگئے۔ اگر قاضی صاحب زندہ بھی ہوتے اور اس سلسلے میں کچھ بتانے کے لئے آمادہ ہوتے تو بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان خود اپنے بارے میں جو کچھ بتائے وہ لازمی طور پر حقیقت ہی پر مبنی ہو۔ کسی انسان کا اپنے بارے میں کوئی بیان خود اس کے لئے بڑی نقاب بھی ہوسکتا ہے حالانکہ عام طور سے ہم اس اصول کے تحت نظر کہ پیدائشی طور پر ہر انسان سچا اور نیک ہوتا ہے بھروسہ کیا جاتا ہے۔ لیکن جب تک کہ چند دوسرے شواہد بھی خود اس کے بیان اور قول کی تائید نہ کریں اس کو حقیقت حال سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہاں تو اس سلسلے میں کسی دوسرے کا کیا خود قاضی صاحب کا بھی کوئی بیان نہیں ہے جس کی روشنی میں کوئی نتیجہ اخذ کیا جاسکے۔

غور و فکر کے بعد بھی اس سلسلے میں کوئی دوسری وجہ ذہن میں نہیں آتی سوائے اس کے کہ یہ وہ زمانہ ہے جب قاضی صاحب صحافت کے ذریعہ ملکی سیاسیات میں اپنا مقام بنانے کی فکر میں تھے اور خود اپنے اک تمنائی کے ہم پلہ وہم وطن ہونے کے آرزو مند تھے کہ جن کے توسط سے دو دنیا میں متعارف ہوسکتے تھے۔ اپنی اس دیرینہ خواہش کا اظہار قاضی صاحب نے مولانا محمد عرفان کے نام اپنے ایک خط میں بھی کیا ہے۔ جس میں لکھتے ہیں کہ حکیم اجمل خاں مرحوم

"کی سیرت کا کام شروع کردیا ہے۔ گو دشواریاں بہت زیادہ ہیں۔ . . . . تاہم دل کی یہ ہوس پوری کرنی ہے ناچار کو واسطہ مگر لیڈر نہ بن سکا۔ اب مسیح الملک کا سوانح نگار بننا چاہتا ہوں۔ جو اس سے بڑی چیز ہے . . . . یہ کام مجھ سے بن آئے تو سمجھونگا کہ زندگی کی تمام ناکامیوں کا نعم البدل مل گیا . . . . ."[1]

غالباً یہی وجہ رہی ہوگی کہ اس زمانے میں قاضی صاحب نے اس قسم کی تخلیقات کو اپنے اصل نام سے شائع کرانا خلاف مصلحت سمجھا اور عوام کے سامنے اپنے کو اس پہلو سے پیش کرنے میں اپنے "مقصد اعلیٰ" میں رکاوٹ کا سبب خیال کیا اور اس بات کا اہتمام کیا کہ لیڈری کے تقدس پر حرف نہ آنے پائے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ہلکی پھلکی اور غیر سیاسی تخلیقات ایک شخص اپنے اصل نام کے بجائے ایک فرضی نام سے شائع کرائے جبکہ سیاست کے میدان میں کہ جس میں دن رات خدشات ہیں، ضمانتیں طلب ہورہی ہیں، ضبط ہورہی ہیں، لوگ سیکڑوں کی تعداد میں جیل جارہے ہیں شخص اپنے اصل نام کے ساتھ ڈٹا ہوا ہے اور اپنے وقت کے اہم سیاسی مسائل پر بڑی بے باکی وصاف گوئی کے ساتھ خامہ فرسائی کررہا ہے۔ اگر کسی سیاسی یا مذہبی بحث میں قاضی صاحب ایسا کرتے یعنی کسی فرضی نام سے حصہ لیتے تو ہمیں یقیناً اس سلسلے میں ان باریکیوں اور ان گہرائیوں میں جانے کی مطلقاً ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ سیاسی نشیب و فراز کا یہ قدرتی نتیجہ اور تقاضہ سمجھا جاسکتا تھا اور اس قسم کے بہروپ کو کوئی اہم یا عجیب بات نہ سمجھا جاتا۔ لیکن جس شخص نے دار و رسن کی ان منازل میں نقاب کی ضرورت محسوس نہ کی ہو یا اس طرح کی روپوشی اور نقاب کو شان مردانگی کے خلاف سمجھا ہو اس نے اس بے ضرر میدان میں لازمی طور پر کسی شدید جذبہ یا مصلحت ہی کے پیش نظر اس طریقۂ کار کو اپنایا ہوگا اور امکان بھر فراہم شدہ حالات و مواد کے پیش نظر یہ جذبہ یا مصلحت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جو گذشتہ سطور میں پیش کیا گیا۔

[1] ماہنامہ۔ نقوش لاہور، مکاتیب نمبر ص ۲۹۰۔ نومبر ۱۹۵۷ء

اخبار و افکار

سیدھے بازو کے رجعت پسندوں کے خلاف متحد ہونے کے لئے دانشوروں سے اپیل

حیدرآباد۔ انجمن ترقی پسند مصنفین حیدرآباد نے ہندوستان کے سرکردہ دانشوروں، سائنس دانوں اور ماہرین معاشیات کو اپنے پلیٹ فارم سے فرقہ واریت کے تجزیہ اور اس کی مذمت کے بعد عوام سے یہ اپیل کرنے کا موقع فراہم کیا کہ وہ سیدھے بازو کی رجعت پسند طاقتوں کے مقابلہ میں صف آرا ہو جائیں۔ اردو ہال میں انجمن ترقی پسند مصنفین کے زیر اہتمام ایک سمینار سے خطاب کرتے ہوئے جناب این۔ پی۔ سین پرنسپل ایڈمنسٹریٹو اسٹاف کالج حیدرآباد، پروفیسر ڈاکٹر رشید الدین خاں ایم۔ پی، پروفیسر منظور عالم، ڈاکٹر پی۔ ایم۔ بھارگو، جناب رام بھولا کرشنا مورتی، ڈاکٹر اے۔ ایم خسرو اور جناب کے۔ ایل۔ مہندرا نے اس بات پر افسوس اور حیرت کا اظہار کیا کہ گذشتہ ۳۳ برس کے دوران ہندوستان میں فرقہ واریت کے ننگے ناچ کے باوجود دوہیوں، رشی [illegible] دانشوروں کے حساس ضمیر نے اس کے خلاف [illegible] نہیں کیا جس انداز میں کیا جانا چاہئے تھا۔ سمینار کی صدارت جناب این۔ پی۔ سین نے کی۔ مباحث کا سلسلہ ۴ گھنٹے جاری رہا۔

ڈاکٹر سین نے کہا کہ وہ شخصی طور پر محسوس کرتے ہیں کہ فرقہ پرستوں اور رجعت پسندوں کی تعداد بہت کم ہے۔ لیکن وہ ناقابل لحاظ اقلیت میں ہونے کے باوجود بڑے پیمانہ پر تباہی اور بربادی کا سبب محض اس لئے بن جاتے ہیں کہ معاشرہ کے امن پسند صاحب الرائے اور شریف النفس افراد جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے خلاف تحرک اور عامل بعمل نہیں ہوتے اور دانشوران کے بارے میں زبان کھولنے کی جسارت کرکے خود اپنے لئے مصیبت مول لینا نہیں چاہتے۔ پروفیسر منظور عالم نے اردو میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ دانشوری سب سے بڑی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ جب کہ وہ ہر اس بات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے۔ جسے وہ غیر معقول غلط اور بے بنیاد سمجھے۔ جب دانشور بزدل بن جاتا ہے تو برائی کی طاقتوں کو کھلی چھوٹ مل جاتی ہے اور وہ عوام کے استحصال پر اتر آتی ہیں پروفیسر منظور عالم نے کہا کہ ملک کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس ملک میں یا تو دانشور سرے سے موجود نہیں ہیں یا پھر انتہائی بزدل ہیں فرقہ واریت کے اسباب و محرکات کا تجزیہ کرتے ہوئے پروفیسر منظور عالم نے کہا کہ نصابی کتابوں کے ذریعہ نئی نسل کے ذہن کو مسموم کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر حسین ظہیر نے کہا کہ فرانس کے انقلابیوں نے سیکولرازم کے فروغ کے لئے پہلے تعلیمی نظام کو سیکولر بنایا تھا اور جب تک ہندوستان میں بھی تعلیمی نظام کو سیکولر نہیں بنایا جائے گا اس وقت تک نئی نسل کو مذہبی جنون اور فرقہ واریت کے شکنجہ سے چھٹکارا نصیب نہ ہو سکے گا ہندوستان میں ان دنوں جو ہنگامے اور فسادات ہوتے رہتے ہیں وہ صرف مسلمانوں کے خلاف نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اس نقطہ نظر کو ختم کرنے کے لئے برپا کئے جاتے ہیں جس کے تحت عوام کو پر مسرت زندگی کے تمام ذرائع فراہم کرنا ضروری اور ناگزیر ہوتا ہے انھوں نے کہا کہ جب بھی ہمارے ملک میں کوئی فرقہ وارانہ فساد ہوتا ہے ہماری سیکولر جماعتیں مذمت کی قراردادوں کی منظوری پر قناعت کر لیتی ہیں۔

ڈاکٹر پی۔ ایم بھارگو نے دانشوروں کو مشورہ دیا کہ وہ ہر مسئلہ کا معقولیت پسندی سے جائزہ لیں فرقہ پرستی کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ انسانی تعلقات و روابط کے اصولوں سے مدد لی جانی چاہئے اور سائنس انسانی تعلقات و روابط کے سلسلہ میں آج بھی سائنس کی بجائے روایات اور عمل در آمد ہی سے کام لیا جاتا ہے اور اس معاملہ میں انسان کی نسلی انفرادیت اور وغیرہ کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور یہی وہ وجہ ہے کہ آج بھی ایک ہی مذہبی عقیدہ سے تعلق رکھنے والے مختلف نسلوں کے لوگ ایک دسترخوان یا ایک میز پر بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتے۔ ملک کے مشہور ماہر معاشیات ڈاکٹر اے۔ ایم۔ خسرو نے فرقہ واریت کے معاشی اور اقتصادی محرکات کا تجزیہ کرتے ہوئے فرقہ واریت کے مقابلہ کے لئے تہذیبی ارتقاء اور دانشوروں میں جرأت و ہمت پر زور دیا۔

جناب رام بھولا کرشنا مورتی نے کہا کہ یہ الزام بالکل بے بنیاد اور غلط ہے کہ فرقہ واریت کو صرف مسلم لیڈر ہوا دیتے ہیں۔ جناب کے۔ ایل مہندرا سکریٹری سٹی کونسل کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا نے کہا کہ فرقہ واریت کے محرکات صرف معاشی نوعیت کے نہیں ہیں۔ اس کے سیاسی اور سماجی محرکات بھی ہیں اور ان کا تجزیہ بھی ضروری ہے۔ انھوں نے کہا کہ قومی قائدین یہ محسوس کرتے تھے کہ انگریز کے چلے جانے پر ہندو مسلم اختلافات خود بخود مٹ جائیں گے۔ اس لئے انھوں نے اس کے خاتمہ پر زیادہ توجہ نہیں دی اور اسی لاپرواہی کا نتیجہ ہے کہ حصول آزادی کے (۳۳) برس بعد بھی ہمارے ملک میں فرقہ واری فسادات کا سلسلہ جاری ہے۔

حیدرآباد　　• سری نواس لاہوٹی

اردو شاعر خان غازی کابلی کے لئے وزیر اعظم امدادی فنڈ سے ۲ ہزار روپے کی امداد

نئی دہلی ۱۰ وزیر اعظم اندرا گاندھی نے وزیر اعظم امدادی فنڈ سے ۲ ہزار پانچ سو روپے کی ایک رقم اردو شاعر اور ادیب خان غازی کابلی کے لئے منظور کی ہے۔

اس رقم کی منظوری کے لئے ملاپ کے ایڈیٹر رنبیر اور اطلاعات کے مرکزی وزیر جناب گجرال نے وزیر اعظم سے سفارش کی تھی۔ خان غازی ان قوم پرست مسلمانوں میں سے ہیں جنھوں نے اپنے قلم کو جنگ آزادی کے حربے کے طور استعمال کیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد خان غازی نے ہندوستان میں پختون تحریک کا آغاز کیا۔

• سیاست

اردو اساتذہ کا سمر اسکول

یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن کے تعاون سے گورکھپور یونیورسٹی میں امسال پہلی دفعہ اردو کے اساتذہ کے لئے سمر اسکول کا اہتمام کیا گیا، ڈگری کالج اور یونی ورسٹی کی سطح کے اردو اساتذہ کا سمر اسکول یا ریفریشر کورس اردو تعلیم و تدریس کی تاریخ میں ایک نیا قدم ہے۔

ڈاکٹر محمود الٰہی، صدر شعبۂ اردو گورکھپور یونی ورسٹی اسکیم کے ڈائرکٹر اور شعبے کے باقی دو اساتذہ ڈاکٹر اسلام سندیلوی اور راقم السطور اسسٹنٹ ڈائرکٹر تھے۔ کورس کا آغاز ۲۹ مئی ۷۰ء کو گورکھپور یونی ورسٹی کے وائس چانسلر ویوریند کیمن پی، ٹی چانڈی کے خطبۂ افتتاحیہ سے ہوا۔ چانڈی صاحب نے اردو اساتذہ پر زور دیا کہ وہ ایسا نصاب تیار کریں اور ایسا طریقۂ تدریس اپنائیں جس سے طلبہ کو امتحانی حدود سے باہر بھی سانس لینے کا موقع ملے، یونی ورسٹی کے شعبۂ سنسکرت کے صدر ڈاکٹر اے سی بنرجی نے اسکیم کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ زبان کے شعبوں کے لئے اس طرح کے ریفریشر کورس کا انعقاد وقت کا اہم تقاضا ہے، انھوں نے کہا کہ خود سنسکرت میں اس طرح کے اجتماع کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔

کورس میں مختلف یونی ورسٹیوں کے مندرجہ ذیل نمائندوں نے شرکت کی۔

الٰہ آباد یونی ورسٹی :- پروفیسر احتشام حسین صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر اسید محمد عقیل، ڈاکٹر جعفر رضا۔

آگرہ یونی ورسٹی :- جناب مسعود عالم، جناب وسیم بریلوی۔

کانپور یونی ورسٹی :- جناب سید علی رضا حسین۔

گورکھپور یونی ورسٹی :- جناب شیخ محمد صدیقی، جناب غلام حسین رضوی، جناب غلام رسول سکرانی، ڈاکٹر محمد عرفان۔

بنارس یونی ورسٹی :- ڈاکٹر مسیح الزماں، صدر شعبۂ اردو

بہار یونی ورسٹی :- پروفیسر اختر قادری، صدر شعبۂ اردو، ڈاکٹر عبدالواسع، جناب عثمان علی خاں، جناب تہذیب ہاشمی، جناب منظور نعمانی، جناب حامد چھپراوی، جناب انور سیوانی

علی گڑھ یونی ورسٹی :- ڈاکٹر طیب ابدالی، جناب انصح ظفر، جناب علیم اللہ خاں

رانچی یونی ورسٹی :- جناب ابوذر عثمانی، جناب احمد سجاد

دلی یونی ورسٹی :- ڈاکٹر فضل الحق۔

ان کے علاوہ گورکھپور یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے ریسرچ اسکالروں کو بھی مذاکرات سے استفادہ کرنے کی اجازت دے دی گئی، ان میں پروفیسر احتشام حسین، ڈاکٹر مسیح الزماں اور پروفیسر اختر قادری نے وزٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔

ڈائرکٹریٹ نے مذاکرات کا طریقۂ کار یہ رکھا کہ ہر شریک بزم کو تحریری یا تقریری طور پر اظہار خیال کا پورا پورا موقع دیا جائے تاکہ متعلقہ مسائل پر متنوع خیالات سامنے آجائیں اور کسی کو یہ محسوس نہ ہو کہ اس پر کوئی خیال مسلط کیا جا رہا ہے، گویا یہ ایک "ٹیم ورک" تھا اور ہر ایک نے اپنا اپنا رول ادا کیا، ڈاکٹر محمود الٰہی نے شرکاء سے شروع ہی میں یہ درخواست کی کہ اس پروگرام کو شعر و ادب کے نظریاتی مباحث کی تبلیغ و اشاعت کا آلۂ کار نہ بنائیں، انھوں نے کہا کہ ہم لوگوں میں جو چیز قدر مشترک ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہم سب اساتذہ ہیں اور ہم سب تدریس کا معیار بلند کرنا چاہتے ہیں،

ریفریشر کورس میں جو مباحث زیر بحث آئے وہ یہ ہیں۔

اردو زبان کی تدریس کے مسائل تاریخ ادب اردو کی تعلیم کی ضرورت اور اس کی حد بندی؛ ادوار اور رجحانات پر توسیعی خطبات اور ان کی نوعیت؛ متن کی تدریس، غزل کی تدریس؛ ڈرامہ اور افسانوی ادب کی تدریس؛ توضیحی اور تشریحی سوالات لکھنے کی مشق اور اس کی تدریس کا طریق کار؛ ترجمے کے مسائل اور اس کے سکھانے کے طریقے؛ تحقیق کی تعلیم کے طریقے اور اس کے نصاب کی تشکیل جدید؛ معانی و بیان اور صنائع بدائع کی تعلیم کے طریقے اور اس کے نصاب کی تشکیل جدید؛ نئے حالات میں اردو کے نصاب کی تدوین کا مسئلہ؛ اردو امتحانات کے مقاصد؛ ان کی تیاری کا طریقۂ کار؛ امتحانی پرچوں کی سمت اور ان کے حدود میں تبدیلی کا مسئلہ، اردو کی تعلیم میں دوسری ڈسپلنوں (ابتدائی فارسی، لسانیات وغیرہ) کا استعمال، کلاسکی ادب [قصیدہ، مرثیہ، داستان وغیرہ] کی تعلیم کی ضرورت اور اس کی حد بندی۔

مندرجہ بالا موضوعات پر مقالے بھی پڑھے گئے اور تقریریں بھی کی گئیں، وزٹنگ پروفیسروں میں سے پروفیسر احتشام حسین نے ترجمے کے

مسائل اور افسانوی ادب کی تدریس کے طریقے پر روشنی بھی ڈالی۔ ڈاکٹر ضیا ازماں نے ڈرامے کی تدریس کے طریقے پر جامع تقریر کی، انھوں نے یہ بھی بتایا کہ طلبہ کو تشریحی و توضیحی سوالات لکھنے کی کس طرح مشق کرائی جائے۔ دوسرے شرکا نے بھی اپنے پسندیدہ موضوعات پر تحریری یا تقریری طور پر اظہار خیال کیا۔

ریفریشر کورس کا سب سے اہم موضوع "نصاب کا مسئلہ" تھا، یہ موضوع باقاعدہ طور پر آخری دنوں میں زیر بحث آیا۔ بحث کا آغاز کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود الٰہی نے کہا کہ گزشتہ دو ہفتے سے تعلیم و تدریس کے جس مسئلے پر بھی ہم نے بحث کی اس میں کسی نہ کسی طرح نصاب کا مسئلہ ضرور اٹھایا گیا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف یونیورسٹیوں کے نمائندے موجودہ نصاب سے مطمئن نہیں ہیں۔

انھوں نے کہا کہ حالات کی تبدیلی کے پیش نظر ہمیں اپنے روایتی نصاب میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارا نصاب صرف شعر و ادب پر مشتمل ہے، ضرورت اس کی ہے کہ ہم اپنے نصاب میں ایسی گنجائش نکالیں جو ان طلبہ کے لئے بھی مفید اور دلچسپ ثابت ہو، جو ادبیات کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بنانا چاہتے۔ پروفیسر احتشام حسین صدر شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی نے نصاب کے مسائل کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی، انھوں نے کہا کہ ہمارے راستے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں جنھیں بہرحال پیش نظر رکھنا پڑے گا۔ پروفیسر اختر قادری، صدر شعبۂ اردو بہار یونیورسٹی نے بہار کی یونیورسٹیوں کے اردو نصاب کا جائزہ لیا اور کہا کہ چونکہ وہاں طلبہ ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد ہی یونیورسٹی میں داخل ہو جاتے ہیں اس لئے اترپردیش کے مقابلے میں طلبہ کی تربیت کا زیادہ موقع ملتا ہے، پھر بھی انھوں نے نصاب کی تبدیلی کی اہمیت پر زور دیا۔

جناب احمد سجاد، رانچی یونیورسٹی، جناب علی رضا حسینی، کانپور یونیورسٹی، جناب افصح ظفر، مگدھ یونیورسٹی، جناب علیم اللہ حالی، مگدھ یونیورسٹی، ڈاکٹر سید محمد عقیل، الٰہ آباد یونیورسٹی، ڈاکٹر مسیح الزماں، صدر شعبۂ اردو، بنارس ہندو یونیورسٹی، جناب وسیم بریلوی، آگرہ یونیورسٹی، جناب مسعود عالم، آگرہ یونیورسٹی، جناب شیخ محمد صدیقی، گورکھپور یونیورسٹی نے اپنی اپنی یونیورسٹیوں کے نصاب کی روشنی میں مسائل کا حل پیش کیا۔ آخر میں ایک کمیٹی بنادی گئی جس کے سپرد نصاب کی تشکیل کا کام کیا گیا۔

سب کمیٹی نے اپنا کام شام تک مکمل کر لیا، دوسرے دن نمائندوں کے سامنے کمیٹی کی سفارشات پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود الٰہی نے کہا کہ اس نصاب کی تشکیل کے وقت چند خاص نکات پیش نظر تھے مثلاً اترپردیش کی یونیورسٹیوں میں جو طلبہ داخلہ لیتے ہیں، ان کا معیار تسلی بخش نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ اب ہمیں ایسے گریجویٹ تیار کرنے ہیں جو یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں اردو کو ذریعۂ اظہار بنا سکیں یا زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اردو کو استعمال کر سکیں،

انھوں نے کہا کہ کمیٹی نے اس کا بھی لحاظ رکھا ہے کہ جو طلبہ بی۔ اے پاس کرنے کے بعد اردو ادبیات کا خصوصی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے بھی یہ نصاب مفید ثابت ہو، معمولی ترمیم کے بعد نمائندوں نے کمیٹی کی سفارشات منظور کرلیں۔

نصاب میں جو اہم تبدیلی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بی۔ اے میں ایک ایسا پرچہ بھی ہونا چاہئے جو پریس رپورٹنگ، ڈاکومنٹری لکھنے کی مشق عام معلوماتی موضوعات پر مضمون نویسی وغیرہ پر مشتمل ہو، اسی پرچے میں صرف و نحو کے وہ حصے بھی شامل ہوں گے جس کی طرف سے عام طور پر بے اعتنائی برتی جاتی ہے، مثلاً اضافتیں، تراکیب، لاحقوں اور سابقوں کی مدد سے وضع کردہ مصطلحات وغیرہ، اسی پرچے میں انگریزی یا ہندی سے ترجمے کا فن بھی شامل ہوگا۔

ریفریشر کورس میں جس تندہی، لگن اور خلوص کے ساتھ شرکا نے دلچسپی لی وہ حد درجہ قابل تعریف ہے۔ اساتذہ کی یہ عام رائے تھی کہ ریفریشر کورس یا سمر اسکول کے اس سلسلے کو جاری رکھنا چاہئے اور ہر سال کسی نہ کسی یونیورسٹی کو اس کے انعقاد کی ذمہ داری قبول کرنی چاہئے۔

• ڈاکٹر احمر لاری

اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کی قرارداد مسترد

لکھنؤ، یو۔ پی لیجس لیٹیو کونسل نے ایک غیر سرکاری قرارداد کو رد کر دیا جس میں اردو کو اترپردیش کی دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ قرارداد غیر سرکاری قراردادوں کے پیش ہونے کی گزشتہ باری پر کانگریسی ممبر کونسل جناب چھیدی لال ساتھی نے پیش کی تھی اور اس پر نامکمل مباحثہ ہوا تھا لیکن اس پر جب دوبارہ مباحثہ شروع ہوا تو مولانا عبدالرؤف (کانگریس) نے اس کی حمایت کی بعد میں جناب پی۔ ڈی۔ ٹنڈن نے تحریک کی کہ مباحثہ کو اور دن کے لئے ملتوی کر دیا جائے لیکن ایوان نے ان کی تجویز نہ مانی اور قرارداد کو رد کر دیا، مباحثہ ختم کرنے کی تحریک بھارتیہ کرانتی دل کے جناب راج بہادر دویدی نے پیش کی۔

قرارداد کے محرک جناب چھیدی لال ساتھی نے بحث کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ گزشتہ موقع پر جب وزیر تعلیم جناب سری پت مسرا نے بحث میں حصہ لیا تھا تو وعدہ کیا گیا تھا کہ اردو کو جو سہولتیں دی گئی ہیں ان پر عمل کیا جائے گا۔ چنانچہ بقول جناب ساتھی کے قرارداد کا بنیادی مقصد پورا ہو گیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ایوان سے درخواست کی کہ قرارداد کو واپس لینے کی اجازت دی جائے۔

ایوان نے جناب چھیدی لال ساتھی کی بات نہ مانی اور قرارداد کو ووٹ لینے کے بعد مسترد کر دیا۔

• الجمعیۃ

بیاد منور لکھنوی

دلی کے ادیبوں شاعروں صحافیوں استادوں دیگر دانشوروں اور اردو دوستوں کا ایک جلسہ زیر اہتمام انجمن تعمیر اردو اردو ہال میں زیر صدارت جناب بسمل سعیدی بیاد حضرت علامہ منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی مرحوم منعقد ہوا۔

ابتدا میں جناب گلزار دہلوی نے علامہ منور لکھنوی مرحوم کی شخصیت اور فن کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال کر خراج عقیدت پیش کیا۔ اس کے بعد ایک قرار داد تعزیت منظور ہوئی اور پسماندگان سے ہمدردی کا اظہار کیا گیا۔

بعد ازاں جناب طالب دہلوی نے ایک مختصر سے مقالے میں حضرت منور لکھنوی کی یاد تازہ کی جس میں بیش بہا معلومات فراہم کی گئی تھیں۔ ان کے بعد راج نرائن راز نے اپنے مقالے میں منور صاحب کی شخصیت اور فن کا بھرپور تجزیہ کیا جسے حاضرین نے بہت پسند کیا۔ راز صاحب کے بعد جناب کالی چرن اثر دہلوی نے مرحوم سے ۳۷ سالہ تعلقات کے آئینے میں ان کی استادی ان کی اصلاحیں ان کے اخلاق اور ادبی سرگرمیوں کا موثر ذکر کیا۔ آخری تقریر خان غازی کابلی نے کی جس میں مرحوم منور صاحب کی دوستی کے کچھ نقوش پیش کئے گئے تھے۔ آخر میں صدر جلسہ و شاعر حضرت بسمل سعیدی صاحب ٹونکی نے میر صاحب اور گلزار صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے چند محبت بھرے الفاظ میں منور صاحب مرحوم کی ادبی خدمات کو سراہا۔

• نامہ نگار

حسان الہند محسن کاکوروی نمبر کا اجراء

لکھنؤ:۔ ماہنامہ فروغ اردو لکھنؤ کے "محسن کاکوروی نمبر" کی رسم اجراء کے سلسلے میں ایک جلسہ ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کی صدارت میں ادارہ فروغ اردو کے دفتر میں ہوا۔ جناب طاہر محسن علوی نے "محسن کاکوروی نمبر" کا اجراء فرمایا۔

ادارہ کے صدر مولانا شمس علوی نے شرکاء جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔

• سکریٹری

محسن کاکوروی کی یاد میں اکیڈمی کا قیام

لکھنؤ:۔ اردو کے مشہور نعت گو شاعر حسان الہند محسن کاکوروی کی ادبی خدمات کو نمایاں کرنے کے لئے محسن اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

شہر کے ممتاز ادیبوں کا جلسہ زیر صدارت ڈاکٹر سید رغیب حسین ادارہ فروغ اردو کے دفتر میں ہوا جس میں حسب ذیل حضرات کا انتخاب متفقہ طور پر ہوا۔

سرپرست:۔ جناب طاہر محسن علوی کاکوروی

صدر: مولانا محمد حسین شمس علوی

نائب صدر: ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی

سکریٹری: سعادت علی صدیقی، احمد ابراہیم علوی

ممبران خصوصی میں ڈاکٹر سید رغیب حسین، ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی، فرحت کاکوروی، انیس احمد عباسی، انیس سلونوی، عمر انصاری، ڈاکٹر انوار الحسن، قمر بسوانی، وسیم فاروقی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اکیڈمی کی سرپرستی کے لئے الحاج محمد یونس سلیم مرکزی نائب وزیر قانون سے درخواست کی گئی ہے۔

• سعادت صدیقی سکریٹری

ایک ادبی نشست

پٹیالہ:۔ انجمن ترقی اردو ماڈل ٹاؤن پٹیالہ کے زیر اہتمام جناب ضیا فتح آبادی اور جناب مہر چند کوثر کے اعزاز میں جناب نوبہار صابر کے دولت کدے پر ایک ادبی نشست منعقد ہوئی جس میں مقامی و غیر مقامی ادیبوں اور شاعروں نے شرکت فرمائی۔

صاحب صدر جناب ضیا فتح آبادی صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ انہیں پٹیالہ میں اردو، ہندی اور پنجابی کا سنگم دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ اردو کی بقا کے لئے صاحب صدر نے فرمایا کہ ہمیں ذاتی رنجش بھلا کر مجموعی طور پر کوئی ٹھوس کام کرنا چاہیے پٹیالہ میں اس طرح کا سنگم غنیمت ہے اور جناب نوبہار صابر صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ہم اکٹھے بیٹھ کر اردو کی بقا کے لئے کچھ سوچ رہے ہیں۔ آخر میں انہوں نے انجمن ہذا کا شکریہ ادا کیا۔ نشست کامیابی کے ساتھ رات کے دس بجے اختتام پذیر ہوئی۔

• جمیش پٹیالوی

اردو اور بنگلہ بولنے والوں کے مسائل پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت

پٹنہ:۔ معلوم ہوا ہے کہ کل پٹنہ سے لکھنؤ کے لئے روانہ ہونے سے قبل ہوائی اڈے پر جب ایک اخبار نویس نے وزیر اعظم سے لسانی اقلیتوں کے پس منظر میں خاص طور سے اردو، بنگالی اور اڑیہ بولنے والوں کے مسائل پر روشنی ڈالنے کو کہا تو انھوں نے اس مسئلہ پر نہایت گہرائی سے غور و خوض کرنے کی ضرورت ظاہر کی ہے۔ اس موقع پر موجود ریاستی وزیر اعلیٰ جناب داروغہ پرشاد رائے نے بتایا کہ حکومت اپنے یہاں کی پانچوں یونی ورسٹیوں کو اس بات کے لئے رضامند کر رہی ہے کہ لسانی اقلیتوں کو اپنی مادری زبان میں امتحان دینے کی اجازت دے دی جائے۔

• سیاست جدید کانپور

اردو کانفرنس کی قراردیں اور تجاویز

حیدرآباد۔ مجلس عمل طلبہ برائے اردو کی جانب سے منعقدہ اردو کانفرنس نے ایک قرارداد کے ذریعہ ریاستی حکومت سے قانون سرکاری زبان ۱۹۶۶ء میں شامل دفعہ (۲) کے مطابق اس ریاست میں اردو کے موقف علاقوں اور نظم و نسق میں اس زبان کے سرکاری اغراض و مقاصد کی آندھرا پردیش گزٹ میں اشاعت کا مطالبہ کیا ہے۔

کانفرنس نے اس بات پر تشویش ظاہر کی ہے کہ وزیر تعلیم نے جو سرکاری زبان سے متعلق امور کے نگران کار بھی ہیں مجلس مقننہ میں وعدوں اور یقین دہانیوں کے باوجود کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا جس کی وجہ سے اس ریاست میں اردو کے موقف اور مستقبل پر ناخوشگوار اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ طلبہ اور نوجوانوں کی اس نمائندہ کانفرنس کی رائے میں ریاستی گزٹ میں ۲۲ نومبر ۱۹۶۷ کو اردو سے متعلق شائع کردہ اعلامیہ کو سرکاری جریدہ میں سے قانون کی دفعہ (۲) کی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے شائع کیا جانا چاہئے۔ کانفرنس نے حکومت کی طرف سے اس اقدام سے قبل اردو کے نمائندوں کا ایک مشاورتی اجلاس طلب کرنے کی خواہش بھی کی اور اعلان کیا ہے کہ اس مطالبہ کے سلسلہ میں اندرون ایک ماہ ٹھوس سرکاری اقدامات نہ کئے جائیں تو طلبہ اور نوجوان جمہوری ایجی ٹیشن شروع کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

نصابی کتب

اردو کانفرنس نے جونیر انٹرمیڈیٹ سے متعلق اردو میں نصابی کتابوں کی عدم اشاعت پر شدید تنقید کرتے ہوئے تجویز کیا ہے کہ ایسی درسی کتابوں کی تیاری اور اشاعت کو خانگی پبلیشرز کے رحم و کرم پر چھوڑنا نہیں چاہئے۔ اور نظامت تعلیمات ہی میں اردو درسی کتابوں سے متعلق ایک علیحدہ سیل قائم کیا جانا چاہئے اور اس مقصد کے لئے اہل، جہاندیدہ اور قابل اساتذہ کی خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں۔

اردو ذریعہ تعلیم

مجلس عمل نے ایک اور قرارداد میں کہا ہے کہ اچھی لسانی پالیسی کے باوجود اس ریاست میں اردو بولنے والوں کی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے حوصلہ افزائی نہیں ہو رہی ہے اور یہ تلخ حقیقت ہے کہ رفتہ رفتہ اردو ذریعہ تعلیم کے طلبہ کا تناسب کم ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے کانفرنس نے تحتانوی اور وسطانوی مدارس میں دوسری جماعتوں میں اردو ذریعہ تعلیم کے معیار کو جو روز بروز گرتا جا رہا ہے بہتر بنانے کے لئے حکومت کو موثر اقدامات کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

کانفرنس نے ایک اور اہم تجویز پیش کی ہے کہ جو اردو بولنے والے طلبہ کسی نہ کسی وجہ سے اردو ذریعہ تعلیم اختیار نہیں کر سکتے ہیں اور کسی دوسرے میڈیم سے پڑھ رہے ہیں انہیں ان کی اپنی مادری زبان لازمی طور پر مدارس میں پڑھانے کا انتظام کیا جائے۔

ضلع پریشدوں اور اردو تحتانوی اور مدارس کے لئے عوامی عطیہ کی ادائی کے لزوم پر اصرار نہ کرنے کی ہدایت دی جانی چاہئے اور پنچایت راج سے متعلق قواعد و ضوابط اور قانون میں اس پالیسی کو درج کرنے کی مناسب ترمیم ضروری ہے۔

نیز اس کانفرنس نے اپنی قرارداد میں کہا ہے کہ طلبہ کی ضروری مقدار کی شرط کی تکمیل یا اس شرط میں نرمی برتنے کے بعد ایک بار جب کوئی جماعت کسی مقام پر قائم ہو جائے تو آئندہ یہ جماعتیں خود بخود قائم کی جانی چاہئے اور ہر سال طلبہ کی مقررہ تعداد کی شرط پر اصرار نہ کیا جانا چاہئے نظامت تعلیمات میں اردو تعلیم اور نصاب سے متعلق ایک علیحدہ شعبہ کے قیام اور اس سے متعلق ایک اسپیشل آفیسر برائے اردو تعلیم کا تقرر بھی اس زبان کے تعلیمی مفاد کے عین مطابق ہوگا۔

جامعہ عثمانیہ میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا تجربہ پہلے کیا جا چکا ہے جسے ملک میں اپنی طرز کے منفرد اور مثالی تجربہ کی حیثیت سے ابھی تک یاد کیا جاتا ہے۔ جامعہ عثمانیہ میں آئندہ اردو کو اس کا مقام ملنا چاہئے چونکہ حیدرآباد اور اضلاع تلنگانہ میں بھی اردو بولنے والے کثیر تعداد میں رہتے ہیں اس مقصد کے لئے اردو کانفرنس نے ریاست میں حسب ذیل اقدامات تجویز کئے ہیں۔

(الف) ایسے سرکاری ڈگری کالجس کے قیام کا سلسلہ شروع کیا جائے جن میں مکمل ذریعہ تعلیم اردو ہو۔ جونیر انٹرمیڈیٹ کے ذریعہ اس سلسلہ میں ابتدا کی جا چکی ہے اور ان جونیر کالجس کو بتدریج ایسے ڈگری کالجس میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

(ب) اردو اور تلگو کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کے لئے ایسے کالجس بھی ہونے چاہئیں جن میں اردو اور تلگو ذریعہ تعلیم ہر دو کا انتظام ہو جس طرح کئی فوقانی مدارس میں ایک سے زائد ذریعہ تعلیم کا انتظام ہے۔

(ج) یونیورسٹی کے امتحانات میں اردو بولنے اور لکھنے والے طلبہ کو اردو میں جوابات تحریر کرنے کی سہولت دی جائے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کا اظہار کر سکیں۔

(د) جامعہ عثمانیہ میں فرنچ، جرمن اور روسی زبانوں کی ثانوی زبانوں کی حیثیت سے تعلیم کا انتظام ہے۔ اردو کانفرنس کو اس بات کا اعتراف ہے کہ بیرونی زبانوں کی تعلیم حاصل کرنے کی بڑی اہمیت ہے لیکن یہ کانفرنس یہ چاہتی ہے کہ ثانوی زبان کی حیثیت صرف علاقائی زبانوں ہی کو دی جانی چاہئے اور بیرونی زبانوں کی تعلیم کے خواہشمندوں کو علیحدہ خصوصی یا اختیاری مضمون کی حیثیت سے دی جانی چاہئے۔

کانفرنس نے جونیر کالجس اور ہائی اسکولس میں اورینٹل گریجویٹس کی خدمات سے موثر استفادہ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے ایم او ایل گریجویٹس کو جونیر لکچرارس کی حیثیت سے مقرر کرنے کا مطالبہ بھی کیا ہے اور کہا ہے کہ بی او ایل، انٹرنس، منشی اور منشی فاضل کامیاب طلبہ اور اساتذہ کی تعلیمی شعبہ میں استفادہ کی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے۔

کانفرنس کو افسوس یہ ہے کہ اس ریاست میں کئی بی او ایل اور ایم او ایل (اردو) کامیاب اور برسر خدمت اساتذہ کو کمتر گریڈ اور

شاہرہ دیا جارہا ہے اور ان کی ایک بہت بڑی اکثریت مڈل ٹرینڈ مدرسین کے لئے مقررہ گریڈ ہی پر سالہا سال سے خدمات انجام دے رہی ہے کانفرنس نے حکومت سے ایسے تمام مسائل کا جائزہ لینے اور ان کے ساتھ روا رکھی جانے والی ناانصافیوں کے خاتمہ کی ضرورت بھی ظاہر کی ہے۔

سہ لسانی فارمولہ اردو کانفرنس نے اس بات پر زور دیا ہے کہ سہ لسانی فارمولہ کے تحت اردو بولنے والی لسانی اقلیت سے متعلق بچوں کو ان کی دینی مادری زبان لازمی طور پر پڑھنے کی قانونی ضمانت فراہم کی جانی چاہئے۔ اور ایسا ہی عمل اس فارمولہ کی روح و منشا کے مطابق ہوگا۔ کانفرنس کی رائے میں لسانی اقلیتوں پر اس وقت تین سے زائد زبانوں کا جو بوجھ ہے اسے کم کرنے پر توجہ کی جانی چاہئے کانفرنس نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ سہ لسانی فارمولہ کا لسانی اقلیت پر اس طرح اطلاق کیا جانا چاہئے کہ وہ ریاست کی زبان تلگو اور اپنی مادری زبان اردو کو لازمی طور پر سیکھنے کے پابند ہوں اور تیسری زبان کی حیثیت سے انگریزی یا ہندی میں سے کسی ایک کے انتخاب کا لسانی اقلیت کو اختیار دیا جانا چاہئے اور یہی طریقہ کار جمہوریت، سیکولرازم سوشلزم اور سماجی مساوات کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو سکتا ہے۔

• رہنمائے دکن

اورنٹیل اکیڈمی فیروز پور چھاؤنی کا شاندار نتیجہ

ہمیشہ کی طرح امسال بھی پنجاب یونیورسٹی ایم۔ اے فاضل اردو کا امتحان دینے والے اورنٹیل اکیڈمی فیروز پور چھاؤنی کے سبھی طلبہ اچھے نمبروں میں پاس ہوئے اور نتیجہ سو فیصد رہا۔ اس کا سہرا جناب جوندلال شاد انچارج اکیڈمی ہذا کے سر ہے۔ آپ عرصہ دراز سے اردو و فارسی زبان کی خدمت کر رہے ہیں۔

• کرشن سنگھ ودا

دلی میں جشن ساحر ہوشیارپوری

ملک کے ادبی تہذیبی اور ثقافتی حلقوں میں یہ خبر خوشی سے سنی جائے گی کہ دلی کے سخن سنج و سخن فہم حضرات ہندوستان کے مشہور صاحب طرز شاعر جناب ساحر ہوشیارپوری کا جشن ١٥ راگست ١٩٧٠ء کو انجمن عروج ادب دلی کے زیر اہتمام منا رہے ہیں۔

شری آئی۔ کے گجرال وزیر اطلاعات و نشریات حکومت ہند انتظامیہ کمیٹی کے چیرمین ہیں۔ شری وی شنکر استقبالیہ کمیٹی کے چیرمین اور کنور مہندر سنگھ بیدی سحر جشن کے کنوینر ہیں۔ جن کی قیادت میں جملہ انتظامات کئے جا رہے ہیں۔

• عزیز وارثی

مخدوم صاحب کے خاندان کو دو مکانات کا عطیہ

حیدرآباد:۔ آر۔ٹی۔سی ایمپلائز یونین کی طرف سے ایک پر اثر تقریب میں نامور شاعر اور عوامی رہنما جناب مخدوم محی الدین کے خاندان کے لئے دو مکانات کا عطیہ دیا گیا۔ یونین کی سکریٹریٹ کی طرف سے مکانات پر ہی منعقدہ تقریب میں دونوں مکانات واقع چندو لال بارہ دری کا قبضہ مخدوم صاحب کے افراد خاندان کو دیدیا گیا جلسہ کی صدارت جناب میر حسن نے کی۔

ٹریڈ یونین رہنما ڈاکٹر راج بہادر گوڑ نے جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مخدوم نے اپنی ساری زندگی مزدوروں اور عوام کی خدمت میں گذاری۔ آر۔ ٹی۔ سی ایمپلائز یونین کے وہ عرصہ دراز تک صدر رہے۔

• الجمعیۃ

انجمن ترقی اردو دلی کی طرف سے فیض احمد فیض کے اعزاز میں عصرانہ

نئی دلی:۔ نئی دلی کے ایک ہوٹل میں انجمن ترقی اردو دلی کی طرف سے پاکستان کے مشہور شاعر فیض احمد فیض کے اعزاز میں عصرانہ دیا گیا جس میں مقامی شعراء، ادباء، صحافی خصوصیت کے ساتھ شریک ہوئے۔

صدر انجمن ترقی اردو دلی پنڈت سندرلال نے معزز مہمان کا خیر مقدم کرتے ہوئے ہندوستان میں ان کی آمد پر اظہار مسرت کیا اور امید ظاہر کی کہ ان کے اس دورہ سے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے میں مدد ملے گی۔

جناب فیض احمد فیض نے انجمن ترقی اردو اور ہندوستان میں اپنے دیگر دوستوں کا ان کے تئیں اظہار محبت کے لئے شکریہ ادا کیا اور بعد ازاں اپنا کلام سنا کر حاضرین کو محظوظ فرمایا تقریباً ایک گھنٹہ یہ محفل جاری رہی ہے اور انجمن ترقی اردو کے سکریٹری جناب بہار برنی کی طرف سے شکریہ ادا کئے جانے کے بعد اختتام پذیر ہوا۔

شرکاء حضرات میں حسب ذیل نام قابل ذکر ہیں۔ محترمہ بیگم عبیدہ سلطان، جناب مالک رام، جناب خوشتر گرامی، جناب ایس ایس نرگلا، بیگم سلطانہ حیات اللہ، ڈاکٹر خلیق انجم، بیگم ذکیہ، مسٹر مسافر آزاد، پرکاش پنڈت، جناب مسٹر حسن نعیم، جناب گلزار دہلوی اور جناب عزیز وارثی۔

• سیاست

تبصرہ

ڈاکٹر شمیم حنفی

سوغات : (مجموعۂ کلام) شوق سالکی لکھنوی
ناشر : ادارہ اشاعت اردو نیو ملاڈ بمبئی ۶۴
قیمت : ۵ روپے

شعری مجموعوں کی بہتات دیکھ کر کبھی کبھی یہ گمان ہوتا ہے کہ ہماری زبان میں ادب کا سارا کاروبار شعر گوئی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ کیسا قیامت ہے کہ جن شعراء کے طفیل شعر و ادب کی حرمت و عزت قائم ہے ان کے کلام کو آنکھیں ترستی ہیں اور برسوں کے انتظار کے بعد ایسے چند مجموعے نظر آتے ہیں دوسری طرف یہ حال ہے کہ آٹھ آنے سے لے کر آٹھ دس روپے تک کی قیمت، جلیل القدر رہنمایان قوم، مصلحین اور علما و فضلا کی تقریظوں اور غیر متعلق تذکروں سے آراستہ شعری مجموعے اور انتخابات آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں۔ ہر ایک کے ساتھ یہ مژدہ کہ صاحب مجموعہ کی قلندرانہ بے نیازی شاید بہت دنوں تک (قیامت تک ؟) انھیں پردۂ خفا سے باہر نہ آنے دیتی لیکن زبانِ اردو کی بدحالی، شعر و ادب کی کس مپرسی، صاحب مجموعہ کی خدا ترسی اور احباب داعزہ کی زبردستی نے موصوف کو گوشۂ گمنامی سے باہر آنے اور نقارہ کمال بجانے پر مجبور کر دیا۔ کہتے ہیں کہ میر و غالب کے زمانے میں گلی گلی شعر و ادب کا چرچا تھا۔ آج ادبی تاریخوں کے فٹ نوٹ میں بھی ان باکمال شاعروں کی پرچھائیں نہیں دکھائی دیتی جو بزعم خود میر و غالب کو آئینہ دکھانے کا حق رکھتے تھے۔ یہی صورت حال آج بھی درپیش ہے۔ اچھی شاعری اور اچھے شعرا کو برا بھلا کہنے والے لاکھوں، لیکن ایسا ایک بھی نہیں جو شعر و ادب کے ایک بھی معتبر اور سنجیدہ قاری کو متاثر کرنے کی اہمیت رکھتا ہو۔ انسانی تاریخ کا یہ اصول ہمیشہ برقرار رہا ہے کہ ہر عہد میں معنی خیز فکری و ذہنی رجحانات کو سفر کی پہلی منزل پر ہمیشہ صدمے جھیلنے پڑے ہیں اور روایتی رندے یا ذہنی بے مائگی ہموار راستے طے ہیں۔ جس زبان کے عام قارئین کا مذاق مشاعروں، فلموں اور تفریحی رسائل کی گود میں نشو و نما حاصل کرتا ہے اس کے لئے یہ صورت حال ناگزیر ہے۔ آسانی سے سمجھ میں آنے والی، کھلے آسمان کے نیچے مشاعروں کی چھتیں اڑانے والی اور تنازع للبقا میں الجھی ہوئی بے زبان مخلوق سے خراج تحسین پانے والی شاعری کے مقابلے میں اچھی اور سچی شاعری کی نارسائی اور شکستہ پائی کا قصہ ماضی قریب اور حال کے صفحوں پر پڑھا جا سکتا ہے۔

قصہ مختصر، شوق سالکی لکھنوی صاحب کا مجموعہ کلام اٹھائیے اور شروع کے اکتیس صفحات تک پھیلی ہوئی نثر کا جائزہ لیجئے تو صاحب مجموعہ کی پچیس سالہ مشق سخن کے نتائج کی کوئی تصویر نہیں ابھرتی البتہ "لفظوں کے قاتل اور لفظوں کے مسیحا" کے زیر عنوان اس مجموعے کے ایک مرتب کی خامہ فرسائی نے معزز ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے ایسی گلکاریاں دکھائی ہیں کہ ان پر ہنسی اور لفظوں کی بے بسی پر رونا آتا ہے۔

اختر الایمان، بلراج کومل، عمیق حنفی، محمد علوی، وزیر آغا، عادل منصوری، عباس اطہر، قاضی سلیم، باقر مہدی، ظفر اقبال، افتخار جالب اور شمس الرحمان فاروقی کی ایسی خبر لی گئی ہے اور انھیں ایسے خطابات سے نوازا گیا ہے۔ جو تہذیب اور تنقید دونوں کے لئے ٹاٹ باہر ہیں۔ ادبی تاریخ سے ناواقفیت اور شعرا کے بارے میں غیر ضروری (اور اکثر غلط) معلومات کا جیسا اظہار اس مضمون میں ہوا ہے اس کا جواب پیش کرنا انسان کے دائرۂ عمل و اختیار سے باہر ہے۔ سوغات کے ڈسٹ کور کی پشت پر ایک "منظوم شعری مجموعہ" (چہ عجب) کا اشتہار دیکھ کر یہ بھید کھلا کہ صاحب مضمون کے سارے غم و غصے کا محرک ایک ایسا شعری انتخاب ہے جس میں ان کا نام شامل نہ ہو سکا۔

اکتیس صفحات پر بکھرے ہوئے مسخرہ پن کی حدیں عبور کر کے باہر آئیے تو شوق سالکی صاحب کی غزلوں سے تعارف ہوتا ہے (مضمون میں ان کا کہیں ذکر نہیں)۔ بیشتر اشعار پر بے جان عمومیت کی مہر۔ کہیں کہیں زبان و بیان میں سلیقہ اور کہیں کہیں اچھے اشعار بھی مل جاتے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

آج ساقی نہیں تو نظروں میں　　سونا سونا شراب خانہ ہے

آپ کے در پہ جبیں رکھ کے محبت کی قسم
میں نے چاہا بھی اٹھانا تو اٹھائی نہ گئی

اسی کو کہتے ہیں سب محبت اسی کو کہتی ہے عشق دنیا
یہ ایک دلچسپ سا تعلق مرے تمہارے جو درمیاں ہے

مسلسل وہ ستم فرما رہے ہیں
قیامت پر قیامت آ رہی ہے

اس مجموعے کا ابتدائی مضمون بھی قرب قیامت کی دلیل ہے۔

▲

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پرنٹرس میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ شائع کیا
REGD. No. L. 922　　فون نمبر ۲۹　　R. No. 2196/57